Marking Scheme 2026-2027

Subject Urdu Elective

Code 003

Class XII

Time: 3 Hours Maximum Marks:80

Section A (حصہ الف)

جواب نمبر1۔ (5x1=5)

(i) (b) جنگلوں کی کٹائی

(ii) (b) فاسد مادّے

(iii) (c) کیڑے مکوڑے

(iv) (b) خوردنی اشیا

(v) (d) موسموں کا بدلتا مزاج

یا

(i) (c) تربیت دینا

(ii) (b) شخصیت کو نکھارنے اور سنوارنے کا

(iii) (a) درسی کتاب

(iv) (d) اوپر کے سبھی

(v) (d) سچا، ایماندار اور محنتی انسان

جواب نمبر2۔ (5x1=5)

(i) (d)خاکہ

(ii) (b)احمد جمال پاشا

(iii) (c)کلیم الدین احمد

(iv) (a)اسکالر

(v) (b)خطکا

یا

(i) (c) انشائیہ

(ii) (a) مچھر

(iii) (c) خواجہ حسن نظامی

(iv) (c) تاکہ مچھر بھاگ جائیں

(v) (a)دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے

جواب نمبر3۔(i) مختلف ماہرین نے افسانے کی جو تعریفیں کی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ افسانہ بیانیہ تخلیقی تحریر ہے۔ (1x5=5)
افسانے میں کسی ایک کردار یا کرداروں کے ایک مخصوص گروہ کے نقوش یا ذہنی کشمکش کو نمایاں کیا جاتا ہے۔افسانے میں واقعات کی تفضیل، کرداروں کی گفتگو اور منظر و ماحول کی پیشکش بہت نپی تلی ہوتی ہے۔
افسانے کے لئے پلاٹ، کردار اور زمان و مکان لازمی اجزاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔افسانے کی کامیابی کے لئے افسانہ نگار کے نقطۂ نظر کو بھی بہت اہم مانا جاتا ہے۔افسانہ نگار کے اسلوب میں رمز، کنایے اور تاثیر کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔

(ii) شامل نصاب خط کی روشنی میں مرزا غالب کے خطوط کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں۔

مرزا غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔لمبے چوڑے القاب وآداب کے استعمال کو ترک کیا۔غالب کے خطوط تاریخی دستاویزات ہیں۔

درج بالا خصوصیات کے علاوہ واقعہ نگاری، منظر نگاری، جذبات نگاری، سادگی، صداقت، شوخی و ظرافت، طنز و مزاح، بے تکلفی، محبت و خلوص، رحم دلی، سخاوت، غائب کو حاضر بنانے کا ایک نرالا طریقہ، اسی طرح غالب اپنے خطوط میں غیر ضرور باتیں نہیں لکھتے۔

جواب نمبر 4۔(i) احمد جمال پاشا کے مطابق کلیم الدین احمد ایک صاف گو، اصول پسند، دیانت دار اور سنجیدہ نقاد تھے۔ وہ حق (2x2•5=5) بات کہنے سے نہیں جھجکتے تھے اور کسی کی خوشامد یا ناراضی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ان کی شخصیت میں وقار، تہذیب، علمیت اور سنجیدگی نمایاں تھی۔

(ii) سجاد ظہیر کے مطابق ادب سماج سے کٹا ہوا فن نہیں بلکہ زندگی کے حقیقی مسائل کا عکاس ہے۔ ادیب پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائے۔ انسان کے دکھ درد کو بیان کرے اور سماج میں مثبت تبدیلی کے لیے فکری روشنی پیدا کرے۔ ان کے نزدیک ادب کا مقصد صرف جمالیاتی لطف دینا نہیں بلکہ معاشرتی شعور پیدا کرنا بھی ہے۔

(iii) سجاد ظہیر نے ترقی پسند ادیبوں کے ماحول کو دوستی، فکری، بحث و مباحثہ، سماجی شعور اور جد وجہد کا سنگم قرار دیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ فیضؔ، مجازؔ، سردار جعفری اور دیگر رفقاء کے ساتھ مل کر وہ ایک ایسے ادبی حلقے میں سرگرم تھے جس کا مقصد سماجی انصاف، آزادیٔ اظہار اور انسانی دوستی کے پیغام کو فروغ دینا تھا۔ ان یادوں سے ترقی پسند تحریک کی فکری بنیادیں اور حریت نمایاں ہوتی ہے۔

(iv) فوٹو گرافر کے کردار کے ذریعہ مصنفہ نے یہ اجاگر کیا ہے کہ انسان کے چہرے کی ظاہری تصویر اصل نہیں ہوتی بلکہ اصل تصویر وہ جذبات اور دکھ ہوتے ہیں جو انسان کے دل میں چھپے ہوتے ہیں۔ فوٹو گرافر جب چہروں کو کیمرے میں قید کرتا ہے تو وہ ان کے اندر چھپے دکھ اور تنہائی کو محسوس کرتا ہے، جو انسان کے حقیقی تجربات کی نمائندگی کرتا ہے۔

جواب نمبر 5۔ (5x1=5)

(i) (b) جینے کی

(ii) (c) بھیانک

(iii) (a) ڈراتا ہے

(iv) (b) گھٹاؤں کی گھن گرج

(v) (a) حسین ہے

یا

(i) (c) خالی دماغ

(ii) (a) جو دل میں فروتنی کو جگہ دیا ہے

(iii) (c) دنیا کو

(iv) (b) ختم ہونے والا

(v) (c) جوانی

جواب نمبر6۔

(5x1=5)

(i)(c) غزل

(ii)(a) حالیؔ

(iii)(b) محبوب

(vi)(a) جب محبوب کا قافلہ ادھر سے گزرے

(v)(c) بات

یا

(i)(b) روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

(ii)(d) علامہ اقبال

(iii)(a) تیرے

(vi)(b) فلک

(v)(c) فرشتوں کی

جواب نمبر7۔ (i) معین احسن جذبیؔ مبارک پور، اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ایم۔اے پاس کرنے کے بعد ملازمت کی غرض سے مختلف شہروں میں قیام کیا۔اردو کے استاد کی حیثیت سے شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے اور وہیں انتقال ہوا۔ (1x5=5)

شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ابتدائی دور میں تخلص "ملال" تھا بعد میں "جذبی" اختیار کیا۔انہیں اقبال سمان اور غالب ایوارڈ پیش کیا گیا۔

جذؔبی ترقی پسند تحریک کے اہم غزل گو میں شمار کئے جاتے ہیں۔انہوں نے نظمیں بھی کہی ہیں لیکن ان کا امتیاز غزل کی صنف میں قائم ہوا۔

غزل کی خصوصیات: ان کی غزلوں میں دھیما پن ہے۔ مگر پُر اثر ہے۔ان کا جادو ذرا دیر سے چڑھتا ہے مگر جب چڑھتا ہے تو پھر منہ سے بولتا ہے۔ان کی آواز میں نغمگی ہے، ترنم اور درد و کسک ہے۔انداز بیان میں سنجید گی، وزن اور و قار ہے۔وہ فنکارانہ انداز سے اپنی بات اس طرح کہتے ہیں کہ سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔فکر و نظر کی گہرائی، زبان و بیان کی فنکاری نے ان کی غزلوں میں چار چاند لگا دیا ہے۔

شعری مجموعے: فروزاں، سخنِ مختصر، گدازِ شب۔

(ii) غزل کے لغوی معنی "عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کی باتیں کرنا" ہے۔عرب شعراجب اپنی معشوقاؤں کا سراپا یا ان کے حسن کی تعریف کرتے یا ان سے محبت کا اظہار کرتے تو اس عمل کو "تغزل" اور ایسے اشعار کو "غزل" کہتے تھے۔

عربی سے غزل فارسی میں آئی، فارسی ادب سے غزل اردو میں آئی اور یہ اردو کی سب سے مقبول صنف سخن ہے۔ فارسی غزل کی طرح اردو غزل میں بھی مضامین و موضوعات کی کوئی قید نہیں ہے۔غزل کا ہر شعر مکمل اکائی ہوتا ہے اور اس کے اندر اشاروں اور کنایوں میں بات کرنے کی خوب گنجائش ہوتی ہے۔

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔جس کی دونوں مصرعے ہم ردیف و ہم قافیہ ہوتے ہیں اور اس کا آخری شعر مقطع کہلاتا ہے جس میں شاعر اپنا تخلص بیان کرتا ہے۔

جواب نمبر8۔ (2x2•5=5)

(i) شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ انسان زندگی کے تجربات، مشکلات، اور نئی راہوں سے خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔وہ خطرات مول نہیں لیتا اور نہ ہی زندگی کے حقیقی معنی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔شاعر کے مطابق زندگی کا حسن اسی میں ہے کہ انسان ہمت کرے، آگے بڑھے اور مشکلات کا سامنا کرے۔

(ii) شاعر نے ان انسانوں پر تنقید کی ہے جو سہولت، آرام اور محفوظ دائرے میں رہنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ نئے تجربات، خطرات، تبدیلی اور سچائی کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ شاعر کے مطابق یہ لوگ اس پرندے کی طرح ہیں جو پنجرے کی حفاظت تو چاہتے ہیں مگر آزادی نہیں، وہ اڑان اور زندگی کی اصل وسعت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

(iii) رستے میں ڈیرے جما لینے کا مطلب ہے اپنی شکست کا اعتراف کر لینا۔ ہر انسان اپنی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد طے کرتا ہے اور مستقبل میں کسی منزل تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر انسان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔

ایسی صورت میں جو کچھ اسے مل جاتا ہے اسی پر وہ قناعت کرتا ہے۔ اسی قناعت اور اعتراف شکست کو شاعر "رستے میں جما لئے ہیں ڈیرے" کہہ رہا ہے۔

(vi) افسردہ ستاروں میں نالۂ صبح ہونے کا مطلب ہے رات کا آخری وقت ہے صبح ہونے کو ہے ایسے میں کوئی عاشق نامراد شب ہجر میں آہ و فغاں میں مصروف ہے۔ وہ روتے روتے تھک جاتا ہے، اس میں قوت باقی نہیں رہتی اور صبح ہوتے ہی ستاروں کی روشنی کم ہو جاتی ہے اسی لیے شاعر نے افسردہ ستاروں میں نالۂ صبح کا تعلق قائم کیا ہے۔

جواب نمبر 9۔ نرمل ورما ہندی زبان کے منفرد فکشن نگار ہیں۔ 3/اپریل 1929ء کو شملہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں پائی۔ اس کے بعد دہلی آ گئے جہاں دہلی یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم۔اے کیا۔ کچھ عرصے تک تدریس کا کام بھی کیا۔ اس کے بعد چیکوسلواکیہ چلے گئے اور سات سال تک وہیں رہے، اس دوران میں کئی چیک شاہکاروں کے ہندی ترجمے کئے۔ اپنے قیام یوروپ کے دوران انہوں نے "ٹائمس آف انڈیا" کے لئے وہاں کے تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی و سماجی مسائل پر کئی فکر انگیز مضامین اور رپورتاژ بھی لکھے۔ وہ ایک مثالی تخلیق کار ہیں۔ انہوں نے افسانے، ناول، ڈرامے، سفر نامہ اور ڈائری غرض کہ کئی صنفوں میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ "پرندے" ان کے افسانے کا پہلا مجموعہ ہے۔ (1x4=4)

نرمل ورما کو ان کی ادبی خدمات پر مختلف اداروں کی طرف سے متعدد انعامات و اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔ جن میں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ، سادھنا سمان، رام منوہر لوہیا سمان، مورتی دیوی ایوارڈ قابل ذکر ہیں۔ 2001ء میں حکومت ہند نے انہیں پدم بھوشن کے اعزاز سے سرفراز کیا۔ ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔

یا

افسانہ جنم دن اپنے ایک مرکزی کردار کے گرد گھومتا ہے جو انتہائی کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ افسانہ خود کلامی کے انداز میں لکھا گیا ہے اور کردار ایک مصنف کا کردار ہے جو کرائے کے انتہائی چھوٹے کمرے میں رہ رہا ہے۔ اس کا مالک مکان اس کو سخت ناپسند کرتا ہے کیوں کہ وہ وقت پر کرایہ نہیں دیتا۔ وہ اپنے جنم دن والے دن صبح صبح تیار ہو کر پاس میں بیٹھ جاتا ہے تاکہ آج کا دن اچھا گزرے اور آج کے دن وہ قرض نہیں لینا چاہتا۔ اسے چائے کی شدید طلب لگتی ہے لیکن اس کے پاس پیسے نہیں

کہ وہ چائے پی لے جب اسے دوست کی طرف سے دوپہر کو کھانے کی دعوت ملتی ہے تو بہت خوش ہو جاتا ہے لیکن وہاں جانے کے بعد اس سے ملاقات نہیں ہوتی۔ اب وہ بھوک سے نڈھال بے حس و حرکت اپنے کرائے کے کمرے تک پہنچتا ہے۔ اس کی حالت کو دیکھ کر ایک ملازم لڑکا اسے دو آنے دیتا ہے۔ اس میں ایک آنے کا وہ ڈوسہ اور چائے لیتا ہے۔ باقی ایک آنہ بھوک ہڑتال والوں کو دے دیتا ہے۔

رات کے وقت بھوک کی شدت سے اپنے پڑوسی میتھیو کے گھر سے کھانا چرا کر کھاتا ہے اور کھانا کھانے کے بعد وہ خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کی چوری نہ پکڑی جائے ورنہ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے گا لیکن کسی کو اس کا پتہ نہیں چلتا اور اس کا بھرم باقی رہ جاتا ہے۔

سوال نمبر 10۔ (2x3=6)

(i) بری ژالوف ایک اعلیٰ افسر ہے جو شروع میں معاملے کو معمولی سمجھ کر ہنسی میں اڑا دیتا ہے اور کہتا ہے "کوئی بات نہیں" لیکن جب چیرویاکوف بار بار معافی مانگتا ہے تو وہ جھنجھلا کر ڈانٹ دیتا ہے۔ اس کا رویہ رعب اور برتری پر مبنی ہے۔

چیرویاکوف ایک کمزور دل، ڈرپوک اور احساس کمتری کا شکار ہے۔ وہ چھوٹے سے مسئلے کو ایک بڑا مسئلہ بنالیتا ہے اس کے اندر بہت زیادہ بے اعتمادی ہے اور ذہنی کمزوری اتنی زیادہ ہے کہ معمولی سی بات پر بار بار معافی مانگ کر اپنا ہی نقصان کر لیتا ہے۔

چیرویاکوف کی موت کی اصل وجہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی احساس کمتری، ڈرپوک فطرت اور اعلیٰ افسر بری ژالوف کے ڈر میں بے جا مبتلا ہونا ہے۔

(ii) تھیٹر میں چھینک کر ایک معمولی سی غلطی پر وہ بار بار معافی مانگتا رہا۔ حالاں کہ افسر نے اسے شروع میں معاف بھی کر دیا تھا۔ لیکن اس کی گھبراہٹ اور خود کو مجرم سمجھنے کی کیفیت نے اسے ذہنی طور پر توڑ دیا تھا۔

(iii) افسانے میں "جلتی جھاڑی" کو انسانی دکھ، بے چینی، تلاش اور امید کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ مرکزی کردار اپنی داخلی کیفیت اور ماضی کے زخموں کو اس جھاڑی میں دیکھتا ہے۔ جھاڑی کبھی تیز بھڑکتی آگ کی طرح دکھائی دیتی ہے اور کبھی بجھی روشنی کی طرح، جس سے کردار کی بدلتی ہوئی ذہنی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ جھاڑی زندگی کی اس جدوجہد کی علامت ہے جو انسان کو درد کے باوجود آگے بڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔

(vi) کردار کے اندر تنہائی ہے، بے چینی ہے، ادھورے پن اور ماضی کی یادوں کا بوجھ ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی سوچ، رویہ اور روزمرہ کی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ جلتی جھاڑی اس کے اندر جلتے ہوئے احساسات کی علامت ہے۔

یوں کردار کے شدید جذبات اور اندرونی جلن اس کی زندگی کو نہ صرف ذہنی طور پر کمزور کرتے ہیں بلکہ اسے ایک ایسی کیفیت میں ڈال دیتے ہیں جہاں امید اور ناامیدی دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

Section B (حصہ ب)

سوال نمبر11۔ (i) فورٹ ولیم کالج اور میر امّن-ایک نوٹ: فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) 1800ء میں قائم ہوا اور (5x3=15)

اردو نثر کی ترقی میں اس ادارے نے بنیادی کردار ادا کیا۔

کالج میں ہندوستانی زبانوں کی باقاعدہ تعلیم و تدریس کا آغاز ہوا۔ مختلف زبانوں کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا اور نئے اسلوب نثر کو فروغ ملا۔

اردو نثر کو سادگی، روانی اور عام فہم انداز دینے میں میر امّن دہلوی کا حصہ نہایت اہم ہے۔ انہوں نے کالج کے لیے اپنی مشہور تصنیف "باغ و بہار" لکھی، جو اردو نثر کا سنگ میل سمجھی جاتی ہے۔ میر امن نے دہلی کی خالص زبان، محاوروں اور روزمرہ کے استعمال کو بنیاد بنا کر ایک ایسا اسلوب اختراع کیا جو بعد میں جدید اردو نثر کی بنیاد ثابت ہوا۔

یوں فورٹ ولیم کالج اور میر امن کا باہمی تعلق اردو نثر کی اصلاح، ترقی اور معیار کے قیام میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔

(ii) **اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی اہمیت:** ترقی پسند تحریک نے ادب کو محض تفریح یا لفظی کھیل سے نکال کر، زندگی، انسانی مسائل اور سماجی حقیقتوں سے جوڑا۔ اس تحریک نے ادیب کو ذمہ دار بنایا کہ وہ ظلم، استحصال، غربت، جہالت، اصناف کلیہ کی محرومی، طبقاتی تفاوت اور ناانصافی جیسے موضوعات کو اپنے فن میں جگہ دے۔ ترقی پسند ادیبوں نے ادب کو انسان دوستی، مساوات، حریت فکر، معاشرتی انصاف اور حقیقت نگاری کا پیغام دینے کا موثر ذریعہ بنایا۔

اس کے ذریعے ادب میں مصنوعی رومان، لفاظی اور غیر حقیقی موضوعات کی جگہ زمین سے جڑے ہوئے کردار، مزدور، کسان، عورت اور دبے ہوئے طبقے نمایاں ہوئے۔ ترقی پسند تحریروں نے زبان کو سادہ، مؤثر اور عام فہم بنایا تاکہ پیغام عام لوگوں تک پہنچ سکے۔ یوں ترقی پسند ادب نے معاشرے میں بیداری، شعور، انقلاب فکر، اور سماجی تبدیلی کے عمل کو مضبوط کیا اور ادب کو ایک فعال سماجی قوت کی حیثیت دی۔

(iii) **رسالہ "تہذیب الاخلاق" کی اہمیت:** سر سید احمد خان نے 1870ء میں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا جو سر سید تحریک کا مرکزی اور سب سے مؤثر ذریعہ ثابت ہوا۔ اس رسالے کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں میں تعلیم، تہذیب، سماجی اصلاح اور جدید فکری شعور پیدا کرنا تھا۔ اس کے ذریعے سر سید نے مسلمانوں کو تعصب، جہالت اور قدامت پرستی سے نکال کر علم، عقل، سائنسی سوچ، اخلاقی تربیت اور قومی بیداری کی طرف مائل کیا۔

تہذیب الاخلاق نے نئی نسل میں انگریزی تعلیم کی اہمیت، خواتین کی تعلیم، سماجی برائیوں کے خاتمے، آپسی اتحاد، اور مذہبی رواداری جیسے موضوعات کو فروغ دیا۔اس رسالے نے مسلمانوں میں ایک ایسی فکری فضا پیدا کی جس سے آگے چل کر جدید اردو نثر، صحافت اور اصلاحی ادب کو زبردست ترقی ملی۔

یوں رسالہ تہذیب الاخلاق نہ صرف سرسید تحریک کا ترجمان تھا بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی فکری، سماجی اور تعلیمی بیداری کا بنیاد ساز محرک بھی ثابت ہوا۔

(vi) **اردو زبان کے آغاز کے مختلف نظریات میں سے تین نظریات:** محمود شیرانی نے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اردو کی داغ بیل پنجاب کے علاقے میں پڑی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چوں کہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے۔"

مسعود حسین خان نے سرزمین دہلی اور اس کے گرد و نواح کو اردو کی جائے پیدائش قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین نے کھڑی بولی کو اردو کی اصل قرار دیا ہے۔

(v) **دبستان دہلی و دبستان لکھنؤ کے امتیازات:**

دبستان دہلی کے امتیازات: دہلی کی شاعری میں جذبہ داخلی نوعیت کا اور عشق کا تصور اعلیٰ و ارفع ہے۔ تصوف نے دہلی کی شاعری میں عمودی جہت پیدا کی۔ چنانچہ دہلی کا شاعر اس شمع کی طرح تھا جو آہستہ آہستہ جلتی اور اپنے آنسوؤں میں نہاتی ہے۔ تغزل میں مضامین عشق کو اہمیت حاصل ہے لیکن زیادہ جلوے حقیقت کے ہیں جو روح کو جھنجھوڑ ڈالتے ہیں۔ دہلی کی سادہ زبان داخلی طور پر توانا اور جذبے کے تحرک سے آشنا ہے۔ اس کی سادگی میں جاذبیت اور صفائی میں روانی ہے۔ دبستان دہلی کے شعرا کے یہاں جذبات حقیقی ہوتے ہیں اس لیے سوز و گداز کافی ہوتا ہے۔ دبستان دہلی کے شعرا کے یہاں وصال سے زیادہ ہجر کی طلب نظر آتی ہے۔

دبستان لکھنؤ کے امتیازات: لکھنؤ میں ایسا ادب پروان چڑھا جس میں تازہ اور جوان جسم کی دل کشی، رعنائی اور جنسی کشش کو اہمیت حاصل تھی۔ شعرا زندگی کے حقائق اور مسائل کو نظر انداز کر کے لفظوں کو اس طرح آراستہ کرتے کہ کیف و نشاط کی بارش ہونے لگتی۔ غزل کے ساتھ ساتھ مثنوی، قصیدہ، ہجو، ریختی، واسوخت، ڈراما اور داستان کو فروغ حاصل ہوا۔ شاہان اودھ کے مذہبی معتقدات کے مطابق مرثیہ کو عروج حاصل ہوا۔ گرد و پیش میں پھیلی ہوئی دنیا پورے حسن و جمال کے ساتھ ادب و شعر میں جلوہ گر ہونے لگی لیکن اندر کی کائنات سے روشنی کا ماخذ بند ہو گیا اور ادب میں ابتذال راہ پا گیا۔ دبستان لکھنؤ

کے شعرا نے جذبات سے زیادہ الفاظ کی نوک پلک سنوارنے اور زبان میں لطافت پیدا کرنے پر زور دیا ہے۔ ان کے یہاں معاملہ بندی اور مبالغہ آرائی زیادہ نظر آتی ہے۔

سوال نمبر12۔ (1x5=5)

(i) (c)مولانا الطاف حسین حآلی

(ii) (b)ڈاکٹر جان گلکرسٹ

(iii) (c)منشی پریم چندر

(iv) (d)سر سید احمد خان

(v) (d)احتشام حسین

Section C (حصہ ج)

جواب نمبر13۔ (2x5=10)

(i)ردیف۔ سے ہم

قافیہ۔ بتاں اور آسماں

(ii) اول اور آخر۔

(iii) جب شاعر مقطع کے شعر میں اپنی تعریف کرے۔

(iv) استعارہ۔ مثال: اک تیر لگا چشم پہ اور سینے پہ بھالا۔۔ بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو شیر نے ڈالا۔

(v) صنعت تلمیح۔

(vi) مراعات النظیر۔ مثال: پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے۔ جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔

(vii) تشبیہ۔

(viii) تعلی۔